بعض جاہل مسلمان بھی بعض مزارات پر ایسا عمل کرتے ہیں کہ بکرا یا مرغا چھوڑ دیتے ہیں اور مزارات کے مجاورین کو اختیار دیتے ہیں وہ ان کو فروخت کر دیتے ہیں تو جو لوگ ان جانوروں کو ان لوگوں سے خریدیں جن کو اصل مالک نے اختیار دیا ہے ان کے لیے ان کا خریدنا اور ذبح کر کے کھانا اور فروخت کرنا سب حلال ہے۔

نذر لغیر اللہ کا مسئلہ:۔ حیوانات کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً مٹھائی وغیرہ جن کو غیر اللہ کے نام پر نذر (منت) کے طور سے ہندو لوگ بتوں پر اور جاہل مسلمان بزرگوں کے مزارات پر چڑھاتے ہیں۔ حضرات فقہاء نے اس کو بھی اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے حکم میں قرار دے کر حرام کہا ہے اور اس کے کھانے پینے، دوسروں کو کھلانے اور بیچنے..... خریدنے سب کو حرام کہا ہے۔ کتب فقہ بحرالرائق وغیرہ میں اس کی تفصیلات مذکور ہیں یہ مسئلہ قیاسی ہے جس کو نص قرآن متعلقہ حیوانات پر قیاس کیا گیا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اضطراری و مجبوری کے احکام:۔ مضطر شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی جان خطرہ میں ہو۔ معمولی تکلیف یا ضرورت سے مضطر نہیں کہا جا سکتا۔ جو شخص بھوک سے ایسی حالت پر پہنچ گیا کہ اگر کچھ نہ کھائے تو جان جاتی رہے گی اس کے لیے دو شرطوں کے ساتھ یہ حرام چیزیں کھا لینے کی گنجائش دی گئی ہے ایک شرط یہ ہے کہ مقصود جان بچانا ہو دوسری شرط یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جو جان بچانے کے لیے کافی ہو پیٹ بھر کر کھانا یا قدر ضرورت سے زائد کھانا اس وقت بھی حرام ہے۔

قرآن عزیز نے اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے کھانے کو لَآ اِثْمَ عَلَيْهِ فرمایا مطلب یہ کہ یہ چیزیں تو اپنی جگہ اب بھی حرام ہیں مگر اس کھانے والے سے بوجہ اضطرار کے استعمال حرام کا گناہ معاف کر دیا گیا۔

حالت اضطرار میں دوا کے طور پر حرام چیزوں کا استعمال

ہر حرام و ناپاک دوا کا استعمال خواہ کھانے پینے میں ہو یا خارجی استعمال میں، ان پانچ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) حالت اضطرار کی ہو یعنی جان کا خطرہ ہو۔
(۲) کوئی دوسری حلال دوا کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو۔
(۳) اس دوا سے مرض کا ازالہ عادۃً یقینی ہو۔
(۴) اس کے استعمال سے.....لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔
(۵) قدر ضرورت سے زاید اس کو استعمال نہ کیا جائے۔

عام علاج یا بیماری میں حرام چیز کا استعمال

اکثر فقہاء نے فرمایا کہ بغیر اضطرار اور ان تمام شرائط کے جو اوپر مذکور ہوئیں حرام دوا کا استعمال جائز نہیں کیونکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے حرام میں شفا نہیں رکھی۔

(سورۂ بقرہ آیت ۱۷۳)(معارف القرآن ص ۴۲۱ تا ۴۲۶ ج ۱)

تحریم خنزیر

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس سے مقصود لحم یعنی گوشت خنزیر کی تخصیص نہیں بلکہ اس کے تمام اجزاء ہڈی، کھال، بال، پٹھے سب ہی باجماع امت حرام ہے لیکن لفظ لحم بڑھا کر اشارہ اس طرف ہے کہ خنزیر دوسرے جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ وہ ذبح کرنے سے پاک ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ کھانا حرام ہی رہے لیکن خنزیر کا گوشت ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا کہ وہ نجس العین بھی ہے حرام بھی، صرف چمڑا سینے کے لیے اس کے بال کا استعمال حدیث میں جائز قرار دیا ہے۔ (جصاص قرطبی) جلد اول ص ۴۲۱

باب

اللّباس

ریشم کے کپڑے مردوں کے لیے حرام ہیں

مسئلہ : اہل جنّت کالباس ریشم کاہو گا۔ مرادیہ ہے کہ ان کے تمام ملبوسات اور فرش اور پردے وغیرہ ریشم کے ہوں گے جو دنیا میں سب سے زیادہ بہتر لباس سمجھا جاتا ہے۔ اور جنت کا ریشم ظاہر ہے کہ دنیا کے ریشم سے صرف نام کی شرکت رکھتا ہے۔ ورنہ اس کی عمدگی اور بہتری کو اس سے کوئی مناسبت نہیں۔

حدیث میں امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسہ فی الأخرۃ و من شرب اظمر فی الدنیا لم یشربھا فی الاخرۃ ومن شرب فی انیۃ الذھب والفضۃ لم یشرب فیھا فی الأخرۃ ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لباس اھل الجنۃ و شراب اھل الجنۃ وانیۃ اھل الجنۃ (از قرطبی بحوالہ نسائی)

جو شخص ریشمی کپڑا دنیا میں پہنے گا۔ وہ آخرت میں نہ پہنے گا۔ اور جو دنیا میں شراب پیے گا۔ وہ آخرت کی شراب سے محروم رہے گا۔ اور جو دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں (کھائے) پیئے گا۔ وہ آخرت میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھائے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تینوں چیزیں اہل جنت کے لیے مخصوص ہیں۔ (سورۃ الحج آیت ۲۳، ۲۴) معارف القرآن حصہ ششم ص ۲۵۰

باب

حقوق المعاشرت

مسلمانوں کا باہم ایک دوسرے کو سلام کرنا

مسئلہ : مسلمانوں کے باہم ایک دوسرے کا تحیہ لفظ السلام علیکم ہونا چاہئے خواہ بڑوں کی طرف سے چھوٹوں کے لیے ہو یا چھوٹے کی طرف سے بڑے کے لیے ہو۔

(سورۂ احزاب آیت ۴۴) (معارف القرآن ج ۷ ص ۱۷۶)

کسی کافر کو ابتداء سلام کرنے میں آیت قرآنی اور ایک روایت کی وجہ سے فقہاء کی رائے میں اختلاف ہے۔ بعض صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے قول و عمل سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے عدم جواز جس کی تفصیل امام قرطبی نے احکام القرآن میں سورۃ مریم کی آیت ۴۷ کے تحت لکھی ہے اس سلسلہ میں امام نخعی نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر تمہیں کسی کافر یہودی نصرانی سے ملنے کی کوئی دینی یا دنیوی ضرورت پیش آئے تو اس کو ابتدائی سلام کرنے میں مضائقہ نہیں اور بے ضرورت سلام کی ابتدا کرنے سے بچنا چاہئے۔ (سورۂ مریم آیت ۴۷) (معارف القرآن ص ۳۲ ج ۷)

○☆○

سفارش پر کچھ معاوضہ لینا حرام ہے

جس سفارش پر کوئی معاوضہ لیا جائے وہ رشوت ہے۔ حدیث میں اس کو سخت و حرام فرمایا ہے۔ اس میں ہر طرح کی رشوت داخل ہے۔ خواہ وہ مالی ہو یا یہ کہ اس کا کام کرنے کے عوض اپنا کوئی کام اس سے لیا جائے۔

(سورہ نساء آیت ۸۵) معارف القرآن حصہ دوم ص ۴۹۹ تا ۵۰۰)

سفارش کی حقیقت اور اس کے احکام اور اقسام:۔ جائز سفارش کے لیے ایک تو یہ شرط ہے کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا مطالبہ حق اور جائز ہو دوسرے یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو بوجہ کمزوری خود بڑے لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا۔ آپ پہنچا دیں اس سے معلوم ہوا کہ خلاف حق سفارش کرنا یا دوسروں کو اس کے قبول پر مجبور کرنا شفاعت سیئہ یعنی بری سفارش ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سفارش میں اپنے تعلق یا وجاہت سے طریقہ دباؤ اور اجبار کا استعمال کیا جائے تو وہ بھی ظلم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں اس لیے وہ بھی شفاعت سیئہ میں داخل ہے۔

جو شخص کسی شخص کے جائز حق اور جائز کام کے لیے جائز طریقہ پر سفارش کرے تو اس کو ثواب کا حصہ ملے گا۔ اور اسی طرح جو کسی ناجائز کام کے لیے یا ناجائز طریقہ پر سفارش کرے گا۔ اس کو عذاب کا حصہ ملے گا۔ حصہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص سے سفارش کی گئی ہے وہ جب اس مظلوم یا محروم کا کام کردے تو جس طرح اس کام کرنے والے افسر کو ثواب ملے گا۔ اسی طرح سفارش کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا۔ اسی طرح کسی ناجائز کام کی سفارش کرنے والا بھی گنہگار ہو گا۔ اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ سفارش کرنے والے کا ثواب یا عذاب اس پر موقوف نہیں کہ اس کی سفارش مؤثر اور کامیاب بھی ہو۔ بلکہ اس کو بہر حال اپنا حصہ ملے گا۔

(سورۂ نساء آیت ۸۵) معارف القرآن ج ۲ ص ۴۹۷۔۴۹۸)

○☆○

رشوت لینا سخت حرام ہے

مسئلہ : ابن عطیہ نے فرمایا کہ جس کام کا پورا کرنا کسی شخص کے ذمہ واجب ہو اس کے پورا کرنے پر کسی سے معاوضہ لینا اور بغیر لیے نہ کرنا اللہ کا عہد توڑنا ہے۔ اسی طرح جس کام کا نہ کرنا کسی کے ذمہ واجب ہے کسی سے معاوضہ لے کر اس کو کر دینا یہ بھی اللہ کا عہد توڑنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رشوت کی مروجہ سب قسمیں حرام ہیں جیسے کوئی سرکاری ملازم کسی کام کی تنخواہ حکومت سے پاتا ہے تو اس نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ یہ تنخواہ لے کر مفوضہ خدمت پوری کروں گا۔ اب اگر وہ اس کے کرنے پر کسی سے معاوضہ مانگے اور بغیر معاوضہ اس کو ٹلائے تو یہ عہد اللہ کو توڑ رہا ہے۔ اسی طرح جس کام کا اس کو محکمہ کی طرف سے اختیار نہیں ہے اس کو لے کر ڈالنا اللہ سے بھی عہد شکنی ہے۔ (سورہ نحل آیت ۹۱) (معارف القرآن ج ۵ ص ۳۸۴)

کسی قسم کے دباؤ کے ساتھ چندہ یا ہدیہ بھی طلب کرنا غضب ہے

مسئلہ : اگر کوئی آدمی کسی سے اس طرح کوئی چیز مانگے کہ مخاطب راضی ہو یا ناراض۔ لیکن اس کے پاس دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو اس طرح ہدیہ طلب کرنا بھی غصب میں داخل ہے۔ لہٰذا اگر مانگنے والا کوئی صاحب اقتدار یا ذی وجاہت شخص ہو اور مخاطب اس کی شخصیت کے دباؤ کی وجہ سے انکار نہ کر سکتا ہو۔ تو وہاں صورت چاہے ہدیہ طلب کرنے کی ہو۔ لیکن حقیقت میں وہ غصب ہی ہوتا ہے اور مانگنے والے کے لیے اس طرح حاصل کی ہوئی چیز کا استعمال جائز نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ خاص طور پر ان لوگوں کے بہت توجہ کرنے کا ہے جو مدارس مکاتب مسجد یا انجمنوں اور جماعتوں کے لیے چندے وصول کرتے ہیں۔ صرف وہ چندہ حلال طیب ہے۔ جو دینے والے نے اپنے مکمل اختیار اور خوش دلی کے ساتھ دیا ہو اور اگر چندہ کرنے والوں نے اپنی شخصیت کا دباؤ

ڈال کر یا بیک وقت آٹھ دس آدمیوں نے کسی ایک شخص کو زچ کر کے چندہ وصول کر لیا' تو یہ صریح ناجائز فعل ہے۔(سورہ ص آیت ۲۴)(معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۵۰۴ تا ۵۰۵)

ہدیہ دینے اور لینے کے احکام

مسئلہ : ہدیہ اور ہبہ دینے والے کو اس پر نظر رکھنا کہ اس کا بدلہ ملے گا۔ یہ تو ایک بہت مذموم حرکت ہے۔ لیکن بطور خود جس شخص کو کوئی ہبہ عطیہ کسی دوست عزیز کی طرف سے ملے اس کے لیے اخلاقی تعلیم یہ ہے کہ وہ جب بھی اس کو موقع ملے اس کی مکافات کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جو شخص آپؐ کو کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اپنے موقع پر آپؐ بھی اس کو ہدیہ دیتے تھے۔ (کذا روی عن عائشہؓ) (قرطبی) ہاں اس مکافات کی صورت ایسی نہ بنائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس کرے کہ یہ میرے ہدیہ کا بدلہ دے رہا ہے۔(سورۂ روم آیت ۳۹) معارف القرآن حصہ ششم ص ۷۵۰

مسئلہ : اگر دوسرے شخص کا مال یا کوئی چیز اپنے سامان میں نکلے اور قرائن قویہ اس پر شاہد ہوں کہ اس نے بالقصد ہمیں دینے ہی کے لیے ہمارے سامان میں باندھ دیا ہے تو اس کو اپنے لیے رکھنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے جیسے یہ پونجی جو برادران یوسف علیہ السلام کے سامان سے برآمد ہوئی اور قرآئن قویہ اس پر شاہد تھے کہ کسی بھول سے یا نسیان سے ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ قصداً اس کو واپس دے دیا ہے اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس رقم کی واپسی کی ہدایت نہیں فرمائی لیکن جہاں یہ اشتباہ موجود ہو کہ شاید بھولے سے ہمارے پاس آگئی وہاں مالک سے تحقیق اور دریافت کئے بغیر اس کا استعمال جائز نہیں۔(سورۂ یوسف آیت ۶۵)(معارف القرآن ج ۵ ص ۹۳)

کسی کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں

مسئلہ : حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں یا بہتر نہیں۔ اور تحقیق اس مسئلے میں یہ

ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں یا بہتر نہیں۔ اور تحقیق اس مسئلے میں یہ ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں۔ (روح المعانی) ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو۔

مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہو کر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہونے کی امید ہو یا اس کے کسی شر و فساد و اس کے ذریعہ دفع کیا جا سکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔(سورۃ النمل آیت ۳۶) معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۸۱

والدین کے لیے دعائے رحمت

مسئلہ : والدین اگر مسلمان ہوں تو ان کے لیے رحمت کی دعا ظاہر ہے لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو ان کی زندگی میں یہ دعا اس نیت سے جائز ہوگی کہ ان کو دنیوی تکلیف سے نجات ہو اور ایمان کی توفیق ہو مرنے کے بعد ان کے لیے دعاء رحمت جائز نہیں (قرطبی ملخصاً)(سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۴) معارف القرآن حصہ پنجم ص ۴۵۵

والدین کی اطاعت فرض ہے مگر حکم الٰہی کے خلاف جائز نہیں

والدین اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دینے پر مجبور کرنے لگیں تو اس معاملہ میں والدین کا کہنا ماننا بھی جائز نہیں۔

ماں باپ شرک و کفر پر مجبور کریں تو اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ان کا کہنا نہ مانو۔ اس میں امکان تھا کہ بیٹا والدین کے ساتھ بد کلامی یا بد خوئی سے پیش آتے ان کی توہین کرتے مگر اسلام کا قانون عدل یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں ان کا کہنا نہ مانو مگر دنیا کے کاموں میں مثلاً ان کی جسمانی یا مالی خدمت میں کمی نہ آنے دو بلکہ دنیوی معاملات میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو' ان کی بات کا ایسا جواب نہ دو جس سے بلا ضرورت دل

آزاری ہو۔(سورۂ لقمٰن آیت ۱۵)معارف القرآن ص ۳۶ تا ۳۷ ج ۸)

ہاتھ میں عصار کھنا

ہاتھ میں عصار کھنا سنت انبیاء ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی سنت تھی اور اس میں بے شمار دینی و دنیوی فوائد ہیں۔(قرطبی)

(سورہ طٰہٰ آیت ۱۸)معارف القرآن حصہ ششم ص ۴۷

حقوق کے معاملہ میں رائے عامّہ معلوم کرنے کے لیے عوامی جلسوں کی آوازیں کافی نہیں

جنگ حنین میں قیدیوں کی واپسی کا مسئلہ تھا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا تو مختلف اطراف سے یہ آواز اٹھی کہ ہم خوشدلی کے ساتھ سب قیدی واپس کرنے کے لیے تیار ہیں۔ مگر عدل و انصاف اور حقوق کے معاملہ میں احتیاط کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی مختلف آوازوں کو کافی نہ سمجھا' اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کون لوگ اپنا حق چھوڑنے کے لیے خوشدلی سے تیار ہوئے اور کون ایسے ہیں جو شرما شرمی خاموش رہے۔ معاملہ لوگوں کے حقوق کا ہے۔ اس لیے ایسا کیا جائے کہ ہر جماعت اور خاندان کے سردار اپنی اپنی جماعت کے لوگوں سے الگ الگ صحیح معلوم کر کے مجھے بتائیں۔ اس کے مطابق سرداروں نے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ اجازت حاصل کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا کہ سب لوگ خوش دلی سے اپنا حق چھوڑنے کے لیے تیار ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب قیدی ان کو واپس کر دیئے۔

(سورۂ توبہ آیت ۲۷)معارف القرآن حصہ چہارم ص ۳۵۰ تا ۳۵۱)

تعلقات کے حقوق شرعیہ ادا کرنا واجب ہے

مسئلہ : جن تعلقات کو قائم رکھنے کا شریعت اسلام نے حکم دیا ہے ان کا قائم رکھنا ضروری اور قطع کرنا حرام ہے۔ غور کیا جائے تو دین و مذہب نام ہی ان حدود و قیود کا ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے لیے مقررہ کی گئی ہیں۔

(البقرہ آیت ۲۷)(معارف القرآن ج ۱ ص ۱۷۰)

مسئلہ : جس شخص کے حقوق کسی کے ذمہ ہوں اور اس حیثیت سے وہ واجب الاحترام ہو' اگر ناگزیر حالات میں اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنی پڑے تو اس میں بھی مقدور بھر حقوق و احترام کی رعایت کرنا شرافت کا مقتضی ہے۔

(سورۂ یوسف آیت ۵۲)(معارف القرآن ج ۵ ص ۷۱)

حقوق کے متعلق ضروری ہدایت

حقوق کے معاملہ میں جب تک خوش دلی کا اطمینان نہ ہو جائے کسی کا حق لینا جائز نہیں مجمع کے رعب یا لوگوں کی شرم سے کسی کا خاموش رہنا رضامندی کے لیے کافی نہیں۔ اسی سے حضرات فقہاء نے فرمایا ہے کہ کسی شخص پر اپنی وجاہت کا رعب ڈال کر کسی دینی مقصد کے لیے چندہ کرنا بھی درست نہیں کیونکہ ایسے حالات میں بہت سے شریف آدمی شرما شرمی کچھ دیدیتے ہیں۔ پوری رضامندی نہیں ہوتی اس طرح کے مال میں برکت بھی نہیں ہوتی۔(سورۂ توبہ آیت ۲۷)(معارف القرآن حصہ چہارم ص ۳۵۲)

خط نویسی کا بیان

مسئلہ : خط نویسی کی اصل سنت تو یہی ہے کہ ہر خط کے شروع میں بسم اللہ لکھی جائے لیکن قرآن و سنت کے نصوص و اشارات سے حضرات فقہاء نے یہ کلیہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس جگہ بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھا جائے اگر اس جگہ اس کاغذ کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ وہ پڑھ کر ڈال دیا جاتا ہے۔ تو ایسے خطوط اور

ایسی چیز میں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ وہ اس طرح اس بے ادبی کے گناہ کا شریک ہو جائے گا۔ آج کل جو عموماً ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں بہرحال سب جانتے ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں اس لیے مناسب یہ ہے کہ ادائے سنت کے لیے زبان سے بسم اللہ کہہ لے تحریر میں نہ لکھے۔
(سورۃ النمل آیت ۳)

خط کا جواب دینا سنت انبیاء ہے

تفسیر قرطبی میں ہے کہ جس شخص کے پاس کسی کا خط آئے اس کے لیے مناسب ہے کہ اس کا جواب دے کیونکہ غائب کا خط حاضر کے سلام کے قائم مقام ہے اس لیے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ وہ خط کے جواب کو جواب سلام کی طرح قرار دیتے تھے۔

خطوط میں بسم اللہ لکھنا:۔ خط کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا سنت انبیاء ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مکاتب اس پر شاہد ہیں کہ بسم اللہ کو سب سے مقدم اس کے بعد کاتب کا نام پھر مکتوب الیہ کا نام لکھا جائے۔

یہ سب کلام افضلیت میں ہے جواز میں نہیں اگر کوئی شخص اپنا نام شروع کے بجائے آخر میں لکھ دے یہ بھی جائز ہے فقیہ ابواللیث کی بستان میں ہے کہ اگر کوئی شخص مکتوب الیہ کے نام سے شروع کر دے تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں کیونکہ امت میں یہ طریقہ بھی چلا آرہا ہے اس پر نکیر نہیں کی گئی۔ (روح المعانی، قرطبی)

خط مختصر اور بلیغ لکھنا چاہئے

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ خط نویسی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی وہی ہے کہ تحریر میں طول نہ ہو مگر ضروری کوئی مضمون چھوٹے بھی نہیں۔
(سورۃ النمل آیت ۳۰ تا ۳۳)(معارف القرآن ۵۷۸ تا ۵۷۹ ج ۶)

صلوٰۃ و سلام کا طریقہ

مسئلہ : قعدہ نماز میں تو قیامت تک الفاظ صلوٰۃ و سلام اسی طرح کہنا مسنون ہے جیسا کہ منقول ہے اور خارج نماز میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود مخاطب ہوں جیسا کہ آپ کے عہد مبارک میں۔ وہاں تو وہی الفاظ الصلوۃ والسلام علیک جیسا کہ اختیار کیے جائیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد روضہ اقدس کے سامنے جب سلام عرض کیا جائے تو اس میں بھی صیغہ السلام علیک کا اختیار کرنا مسنون ہے اس کے علاوہ جہاں غائبانہ صلوٰۃ سلام پڑھا جائے تو صحابہ و تابعین اور ائمہ امت سے صیغہ غائب کا استعمال کرنا منقول ہے۔ مثلاً "صلی اللہ علیہ وسلم" جیسا کہ عام محدثین کی کتابیں اس سے لبریز ہیں۔

مسئلہ : نماز کے قعدہ اخیر میں صلوٰۃ (درود شریف) سنت مؤکدہ تو سب کے نزدیک ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک واجب ہے جس کے ترک سے نماز واجب اعادہ ہو جاتی ہے۔

مسئلہ : اس پر بھی جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ جب کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا سنے تو اس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں آپؐ کے ذکر مبارک کے وقت درود شریف نہ پڑھنے پر وعید آئی ہے جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رغم الف رجل ذکرت عندہ فلم یصل علیّ یعنی ذلیل ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے وقال الترمذی حدیث حسن ورواہ ابن السنی باسناد جید اور ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ البخیل من ذکرت عندہ فلم یُصَلِّ عَلَیَّ یعنی بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

مسئلہ : اگر ایک مجلس میں آپؐ کا ذکر مبارک بار بار آئے تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنے سے واجب ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ جتنی بار ذکر مبارک خود کرے یا کسی سے سنے ہر مرتبہ درود شریف پڑھے۔ حضرات محدثین سے زیادہ کون آپؐ کا ذکر کر سکتا ہے کہ ان کے وقت کا مشغلہ ہی حدیث رسولؐ ہے۔ جس میں ہر وقت بار بار

آپ کا ذکر آتا ہے۔ تمام ائمہ حدیث کا دستور یہی رہا ہے کہ ہر مرتبہ درود و سلام پڑھتے اور لکھتے ہیں تمام کتب حدیث اس پر شاہد ہیں۔ انہوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی کہ اس تکرار صلوٰۃ و سلام سے کتاب کی ضخامت کافی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ اکثر تو چھوٹی چھوٹی حدیثیں آتی ہیں جن میں ایک دو سطر کے بعد نام مبارک آتا ہے۔ اور بعض جگہ تو ایک سطر میں ایک سے زیادہ مرتبہ نام مبارک مذکور ہے حضرات محدثین کہیں صلوٰۃ و سلام ترک نہیں کرتے۔

مسئلہ : جس طرح زبان سے ذکر مبارک کے وقت زبانی صلوٰۃ و سلام واجب ہے اسی طرح قلم سے لکھنے کے وقت صلوٰۃ و سلام کا قلم سے لکھنا بھی واجب ہے اور اس میں جو لوگ حروف کا اختصار کر کے (صلعم) لکھ دیتے ہیں۔ یہ کافی نہیں پورا صلوٰۃ و سلام لکھنا چاہئے۔

مسئلہ : ذکر مبارک کے وقت افضل و اعلیٰ اور مستحب تو یہی ہے کہ صلوٰۃ و سلام دونوں پڑھے اور لکھے جائیں لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے ایک یعنی صرف صلوٰۃ یا صرف سلام پر اکتفاء کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک کوئی گناہ نہیں شیخ الاسلام نوویؒ وغیرہ نے دونوں میں سے صرف ایک پر اکتفاء کرنا مکروہ فرمایا ہے۔ ابن حجر ہیثمیؒ نے فرمایا کہ ان کی مراد کراہت سے خلاف اولیٰ ہونا ہے۔ جس کو اصطلاح میں مکروہ تنزیہی کہا جاتا ہے۔ اور علماء امت کا مسلسل عمل اس پر شاہد ہے کہ وہ دونوں ہی کو جمع کرتے ہیں اور بعض اوقات ایک پر بھی اکتفاء کر لیتے ہیں۔

مسئلہ : لفظ صلوٰۃ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کے لیے استعمال کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں۔ تبعًا جائز ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ سلام کے ساتھ آل و اصحاب یا تمام مومنین کو شریک کر لے اس میں مضائقہ نہیں۔

(سورۂ احزاب آیت ۵۶) معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۲۲۴ تا ۲۲۵)

باب

احکام المسائل الجدیدہ

امتحانات کے نمبر۔ سند و سار ٹیفکیٹ اور ووٹ

لفظ شہادت اور گواہی کا جو مفہوم آج کل عرف میں مشہور ہو گیا ہے وہ تو صرف مقدمات و خصومات میں کسی حاکم کے سامنے گواہی دینے کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے مگر قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ شہادت اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ مثلاً کسی بیمار کو ڈاکٹری سار ٹیفکٹ دینا کہ یہ ڈیوٹی ادا کرنے کے قابل نہیں یا نوکری کرنے کے قابل نہیں۔ یہ بھی ایک شہادت ہے۔ اگر اس واقعہ کے خلاف لکھا گیا تو وہ جھوٹی شہادت ہو کر گناہ کبیرہ ہو گیا۔

اسی طرح امتحانات میں طلباء کے پرچوں پر نمبر لگانا بھی ایک شہادت ہے۔ اگر جان بوجھ کر یا بے پروائی سے نمبروں میں کمی بیشی کر دی تو وہ بھی جھوٹی شہادت ہے اور حرام اور سخت گناہ ہے۔

کامیاب ہونے والے فارغ التحصیل طلباء کو سار ٹیفکٹ دینا اس کی شہادت ہے کہ وہ متعلقہ کام کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے اگر وہ شخص واقعہ میں ایسا نہیں ہے تو اس سار ٹیفکٹ یا سند پر دستخط کرنے والے سب کے سب شہادت کاذبہ کے مجرم

ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے جس میں ووٹ دہندہ کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے بھی اور دیانت و امانت کے اعتبار سے بھی قومی نمائندہ بننے کے قابل ہے۔

(سورۃ المائدہ آیت ۱۰) معارف القرآن حصہ سوم ص ۷۰ تا ۷۱

باہمی مسابقت اور گھوڑدوڑ کے احکام

مسئلہ : ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ باہمی مسابقت (دوڑ) شریعت میں مشروع اور اچھی خصلت ہے جو جنگ و جہاد میں کام آتی ہے۔ اس سے اصل گھوڑدوڑ کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے اور گھوڑدوڑ کے علاوہ دوڑ میں تیراندازی کے نشانے وغیرہ میں باہمی مقابلہ اور مسابقت جائز ہے اور اس مسابقت میں غالب آنے والے فریق کو کسی تیسرے کی طرف سے انعام دینا بھی جائز ہے۔ لیکن آپس میں ہار جیت کی کوئی رقم بطور شرط ٹھہرانا جوا اور قمار ہے آج کل جتنی صورتیں گھوڑدوڑ کی رائج ہیں وہ کوئی بھی جوئے اور قمار سے خالی نہیں اس لیے سب حرام و ناجائز ہیں۔

(سورہ یوسف آیت) (معارف القرآن ج ۵ ص ۲۵)

کھیلوں کے سامان کی خرید و فروخت کے مسائل

مسئلہ : جو سامان کفر و ضلال یا حرام و معصیت ہی کے کھیلوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی تجارت اور خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ اور جو لہو مکروہ میں استعمال ہوتا ہے اس کی تجارت بھی مکروہ ہے اور جو سامان جائز اور مستثنیٰ کھیلوں میں استعمال ہوتا ہے اس کی تجارت بھی جائز ہے اور جس سامان کو جائز اور ناجائز دونوں طرح کے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے اس کی تجارت جائز ہے۔

مباح اور جائز کھیل

مسئلہ : مذموم اور ممنوع وہ لہو اور کھیل ہے جس میں کوئی دینی دنیوی فائدہ نہیں۔ جو کھیل بدن کی ورزش، صحت اور تندرستی باقی رکھنے کے لیے ہوں اور ان میں غلو نہ کیا جائے کہ انہی کو مشغلہ بنالیا جائے۔ اور ضروری کاموں میں ان سے حرج پڑنے لگے تو ایسے کھیل شرعاً مباح اور دینی ضرورت کی نیت سے ہو تو ثواب بھی ہے۔

(سورۂ لقمٰن آیت ۶) (معارف القرآن جلد ہفتم ص ۲۳)

انگریزی دواؤں کے احکام

مسئلہ : وہ تمام انگریزی دوائیں جو یورپ وغیرہ سے آتی ہیں جن میں شراب وغیرہ نجس اشیاء کا ہونا معلوم و یقینی ہو اس کا استعمال اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس دوا کے استعمال سے شفاء ہو جانا عادۃً یقینی ہو اور کوئی حلال دوا اس کا بدل نہ ہو سکے اور جن دواؤں میں حرام و نجس اجزا کا وجود مشکوک ہے ان کے استعمال میں اور زیادہ گنجائش ہے اور احتیاط بہرحال احتیاط ہے خصوصاً جب کہ اور کوئی شدید ضرورت بھی نہ ہو۔

(البقرہ آیت ۱۷۳) ملخصاً معارف القرآن ج ۱ ص ۴۲۷

فوٹو کی تصویر بھی تصویر ہی ہے

مسئلہ : بعض لوگوں کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ فوٹو تصویر سے خارج ہے۔ کیونکہ وہ تو ظل اور عکس ہے۔ جیسے آئینہ اور پانی وغیرہ میں آجاتا ہے تو جس طرح آئینہ میں اپنی صورت دیکھنا جائز ہے ایسے ہی فوٹو ہے فوٹو کی تصویر بھی جائز ہے جواب واضح ہے کہ عکس اور ظل اس وقت تک عکس ہے جب تک وہ کسی ذریعہ سے قائم اور پائیدار نہ بنا لیا جائے۔ جیسے آئینہ پانی میں اپنا عکس۔ جس وقت پانی کے مقابلہ سے آپ ہٹ جائیں

گے ختم ہوجائے گا اگر آئینہ کے اوپر کسی مسالہ یا آلہ کے ذریعہ اس صورت کے عکس کو پائیدار بنادیا جائے تو یہی تصویر ہوجائے گی، جس کی حرمت و ممانعت احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ (سورۂ سبا آیت ۱۳)(معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۲۷۱)

مسئلہ : پرندہ کی شکل بنانا تصویر تھا جو اس شریعت (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں) جائز تھا۔ ہماری شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہوگیا۔

(سورہ آل عمران آیت ۴۹) معارف القرآن جلد دوم ص ۶۶

خوش آوازی کے ساتھ بغیر مزامیر کے مفید اشعار کا پڑھنا

مسئلہ : جو گانا اجنبی عورت کا ہو یا اس کے ساتھ طبلہ سارنگی وغیرہ مزامیر ہوں وہ حرام ہے۔ اور اگر محض خوش آوازی کے ساتھ کچھ اشعار پڑھے جائیں اور پڑھنے والی عورت یا امرد نہ ہوں اور اشعار کے مضامین بھی فحش یا کسی دوسرے گناہ پر مشتمل نہ ہوں تو جائز ہے۔ (سورۂ لقمٰن آیت ۷)(معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۲۷)

قرعہ کے متعلق مسائل

مسئلہ : شریعت محمدیؐ میں حنفیہ کے مسلک پر قرعہ کا یہ حکم ہے کہ جن حقوق کے اسباب شرع میں معلوم و متعین ہیں ان میں قرعہ ناجائز و داخل قمار ہے مثلاً شئ مشترک میں جس کا نام نکل آئے وہ سب لے لے یا جس بچے کے نسب میں اختلاف ہو، اس میں جس کا نام نکل آوے۔ وہی باپ سمجھا جاوے اور جن حقوق کے اسباب رائے کے سپرد ہوں ان میں قرعہ جائز ہے۔ مثلاً مشترک مکان کی تقسیم میں قرعہ سے زید کو شرقی حصہ دے دینا اور عمرو کو غربی حصہ دیدینا، یہ اس لیے جائز ہے کہ بلا قرعہ بھی ایسا کرنا اتفاق شریکین سے یا قضائے قاضی سے جائز تھا۔ (بیان القرآن)

(سورہ آل عمران آیت ۴۴)(معارف القرآن حصہ دوم ص ۶۵)

قرعہ اندازی کا حکم

مسئلہ : قرعہ اندازی کے ذریعہ نہ کسی کا حق ثابت کیا جاسکتا ہے نہ کسی کو مجرم قرار دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً قرعہ کے ذریعہ کسی کو چور ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اگر دو آدمیوں میں یہ اختلاف ہو کہ فلاں جائیداد کسی کی ملکیت ہے قرعہ کے ذریعہ اس کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ ہاں قرعہ اندازی اس موقع پر جائز بلکہ بہتر ہے۔ جہاں ایک شخص کو شرعاً مکمل اختیار حاصل ہو کہ وہ چند جائز راستوں میں سے کسی بھی راستے کو اختیار کرلے۔ اب وہ اپنی مرضی سے کوئی راستہ متعین کرنے کے بجائے قرعہ ڈال کر فیصلہ کرے۔ مثلاً جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں۔ اسے سفر میں جاتے وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے، ساتھ لے جائے۔ اب وہ اپنی مرضی سے ایسا کرنے کے بجائے قرعہ اندازی کرلے تو بہتر ہے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔ (سورہ صفت آیت ۱۴۱)(معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۲۷۸)

افسروں، ملازموں، مزدوروں کا اپنی مقررہ ڈیوٹی میں کمی کرنا

یاد رہے کہ ناپ تول کی کمی جس کو قرآن میں تطفیف کہا گیا ہے۔ صرف ڈنڈی مارنے اور ناپنے کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ کسی کے ذمہ دوسرے کا حق ہے۔ اس میں کمی کرنا بھی تطفیف میں داخل ہے۔ جیسا کہ موطا امام مالکؒ میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص کو نماز کے ارکان میں کمی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ تو نے تطفیف کردی یعنی جو حق واجب تھا وہ ادا نہیں کیا اس کو نقل کرکے امام مالکؒ فرماتے ہیں۔

لِكُلِّ شَيْءٍ وَفَاءٌ وَتَطْفِيفٌ

یعنی حق کا پورا دینا اور کمی کرنا ہر چیز میں ہوتا ہے صرف ناپ تول میں ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو ملازم اپنی ڈیوٹی پوری نہیں کرتا وقت چراتا ہے یا کام میں کوتاہی

کرتا ہے۔ وہ کوئی وزیر و امیر ہو یا معمولی ملازم اور وہ کوئی دفتری کام کرنے والا ہو یا علمی اور دینی خدمت جو حق اس کے ذمہ ہے۔ اس میں کوتاہی کرے تو وہ بھی مطففین میں داخل ہے۔ اسی طرح مزدور جو اپنی مقررہ خدمت میں کوتاہی کرے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

(سورۃ المائدہ آیت ۱۵۳)(معارف القرآن حصہ سوم ص ۴۸۸)

وقت مفوضہ و مقررہ مزدوری میں کمی کرنا

مسئلہ : حضرات فقہاء نے فرمایا کہ آیت میں ناپ تول میں کمی کا جو حکم ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس کا جتنا حق ہے اس سے کم دینا حرام ہے اس لیے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی ملازم اپنے مفوضہ اور مقررہ کام میں کمی کرے یا جتنا وقت دینا ہے اس سے کم دے یا مزدور اپنی مزدوری میں کام چوری کرے۔ ناپ تول پورا کرنے کی ذمہ داری بائع (بیچنے والے) پر ڈالی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ناپنے تولنے اور اس کو پورا کرنے کا ذمہ دار بائع ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۵)(معارف القرآن ج پنجم ص ۴۶۸)

ناپ تول کی کمی کی ممانعت

حضرت فاروق اعظمؓ کے ارشاد کے تحت حضرت امام مالکؒ نے مؤطا میں فرمایا کہ ناپ تول کی کمی سے اصل مراد یہ ہے کہ کسی کا حق کسی کے ذمہ ہو اس کو پورا ادا نہ کرے بلکہ اس میں کمی کرے۔ خواہ وہ ناپنے تولنے کی چیز ہو یا دوسری طرح کی اگر کوئی ملازم اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے کسی دفتر کا ملازم یا کوئی مزدور اپنے کام کے وقت مقرر میں کمی کرتا ہے۔ وہ بھی اسی فہرست میں داخل ہے۔ کوئی شخص نماز کے آداب و سنن پورے بجا نہیں لاتا وہ بھی اسی تطفیف کا مجرم ہے۔ (سورہ ھود آیت ۸۵)(معارف القرآن حصہ چہارم ص ۶۶۴)

مسائل استیذان

مسئلہ : یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب کیا گیا جو مردوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں جیسا کہ عام احکام قرآنیہ اسی طرح مردوں کو مخاطب کر کے آتے ہیں۔ عورتیں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں بجز مخصوص مسائل کے جن کی خصوصیت مردوں کے ساتھ بیان کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ نساء صحابہ کا بھی یہی معمول تھا کہ کسی کے گھر جاویں تو پہلے ان سے استیذان کریں۔ حضرت ام ایاسؓ فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں اکثر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جایا کرتی تھیں۔ اور گھر میں جانے سے پہلے ان سے استیذان کرتی تھیں جب وہ اجازت دیتیں تو اندر جاتی تھیں۔

(ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم)

مسئلہ : کسی دوسرے شخص کے گھر میں جانے سے پہلے استیذان کا حکم عام ہے مرد عورت محرم غیر محرم سب کو شامل ہے۔ عورت کسی عورت کے پاس جائے یا مرد مرد کے پاس سب کو استیذان کرنا واجب ہے اسی طرح ایک شخص اگر اپنی ماں اور بہن یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے تو بھی استیذان کرنا چاہئے امام مالک نے موطاء میں مرسلاً عطا ابن یسارؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنی والدہ کے پاس جانے کے وقت بھی استیذان کروں۔ آپ نے فرمایا ہاں استیذان کرو۔ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں تو اپنی والدہ ہی کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لیے بغیر گھر میں نہ جاؤ اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ہر وقت ان کی خدمت میں رہتا ہوں۔ پھر بھی اجازت لیے بغیر گھر میں نہ جاؤ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگی دیکھو اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا اسی لیے استیذان کرنا چاہئے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ گھر میں کسی ضرورت سے ستر کھولے ہوئے ہوں۔ (مظہری)

مسئلہ : جس گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو اس میں داخل ہونے کے لیے اگرچہ استیذان واجب نہیں مگر مستحب اور طریق سنت یہ ہے کہ وہاں بھی اچانک بغیر کسی

اطلاع کے اندر نہ جائے بلکہ داخل ہونے سے پہلے اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکار سے کسی طرح پہلے باخبر کردے پھر داخل ہو۔

مسئلہ : اگر اجازت لینے سے پہلے گھر کے کسی آدمی پر نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کرے پھر اجازت لے ورنہ اجازت لے اور جب گھر میں جائے تو سلام کرے مگر عام روایت حدیث سے جو طریقہ مسنون معلوم ہوتا ہے جو یہی ہے کہ پہلے باہر سے سلام کرے "السلام علیکم" اس کے بعد اپنا نام لے کر کہے کہ فلاں شخص ملنا چاہتا ہے۔

مسئلہ : پہلے سلام اور پھر داخل ہونے کی اجازت لینے کا جو بیان اوپر احادیث سے ثابت ہوا اس میں بہتر یہ ہے کہ اجازت لینے والا خود اپنا نام لے کر طلب کرے جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا عمل تھا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آکر یہ الفاظ کہے السلام علی رسول اللہ السلام علیکم أیدخل عمر یعنی سلام کے بعد کہا کہ کیا عمر داخل ہو سکتا ہے۔ (رواہ قاسم بن اصبغ و ابن عبدالبر فی التمہید عن ابن عباس عن عمرؓ۔ ابن کثیر)

اور صحیح مسلم میں ہے۔ کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ تو استیذان کے لیے یہ الفاظ فرمائے السلام علیکم ھذا ابو موسیٰ السلام علیکم ھذا الاشعری (قرطبی)

اس میں بھی پہلے اپنا نام ابو موسیٰ بتلایا پھر مزید وضاحت کے لیے اشعری کا ذکر کیا۔ اور یہ اس لیے کہ جب تک آدمی اجازت لینے والے کو پہچانے نہیں تو جواب دینے میں تشویش ہوگی۔ اس تشویش سے بھی مخاطب کو بچانا چاہئے۔

مسئلہ : اس معاملہ میں سب سے برا وہ طریقہ ہے جو بعض کرتے ہیں کہ باہر سے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ اندر سے مخاطب نے پوچھا کون صاحب ہیں۔ تو جواب میں یہ کہہ دیا کہ میں ہوں کیونکہ یہ مخاطب کی بات کا جواب نہیں۔ جس نے اول آواز سے نہیں پہچانا وہ میں کے لفظ سے کیا پہچانے گا۔

مسئلہ : اس سے بھی زیادہ برا طریقہ یہ ہے کہ جو آج کل بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں کہ دروازہ پر دستک دی۔ جب اندر سے پوچھا گیا کہ کون صاحب

ہیں تو خاموش کھڑے ہیں۔ کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔ یہ مخاطب کو تشویش میں ڈالنے اور ایذا پہنچانے کا بدترین طریقہ ہے جس سے استیذان کی مصلحت ہی فوت ہو جاتی ہے۔

مسئلہ : روایات مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ استیذان کا یہ طریقہ بھی جائز ہے کہ دروازہ پر دستک دیدی جائے۔ بشرطیکہ ساتھ ہی اپنا نام بھی ظاہر کر کے بتلا دیا جائے کہ فلاں شخص ملنا چاہتا ہے۔

مسئلہ : لیکن اگر دستک ہو تو اتنی زور سے نہ دے کہ جس سے سننے والا گھبرا اٹھے بلکہ متوسط انداز سے دے جس سے اندر تک آواز تو چلی جائے لیکن کوئی سختی ظاہر نہ ہو۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دستک دیتے تھے تو ان کی عادت یہ تھی کہ ناخنوں سے دروازہ پر دستک دیتے تھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو۔ (رواہ الخطیب فی جامعہ۔ قرطبی) جو شخص استیذان کے مقصد کو سمجھ لے کہ اصل اس سے استیناس ہے۔ یعنی مخاطب کو مانوس کر کے اجازت حاصل کرنا وہ خود بخود ان سب چیزوں کی رعایت کو ضروری سمجھے گا۔ جن چیزوں سے مخاطب کو تکلیف ہو اس سے بچے گا اپنا نام ظاہر کرے اور دستک دے تو متوسط انداز سے دے یہ سب چیزیں اس میں شامل ہیں۔

مسئلہ : جو لوگ استیذان کرنا چاہیں اور مسنون طریقہ کے مطابق باہر سے پہلے سلام کریں۔ پھر اپنا نام لے کر اجازت لیں۔ ان کے لیے اس زمانے میں بعض دشواریاں یوں بھی پیش آتی ہیں کہ عموماً مخاطب جس سے اجازت لیتا ہے وہ دروازہ سے دور ہے۔ وہاں تک سلام کی آواز اور اجازت لینے کے الفاظ پہنچنا مشکل ہیں اس لیے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اصل واجب یہ بات ہے کہ بغیر اجازت کے گھر میں داخل نہ ہو۔ اجازت لینے کے طریقے ہر زمانے اور ہر ملک میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ دروازہ پر دستک دینے کا تو خود روایات حدیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح جو لوگ اپنے دروازوں پر گھنٹی لگا لیتے ہیں۔ اس گھنٹی کا بجا دینا بھی واجب استیذان کی ادائیگی کے لیے کافی ہے۔ بشرطیکہ گھنٹی کے بعد اپنا نام بھی ایسی آواز سے ظاہر کر دے جس کو مخاطب سن لے۔ اس

کے علاوہ اور کوئی طریقہ جو کسی جگہ رائج ہو اس کا استعمال کرلینا بھی جائز ہے۔ جو آج کل شناختی کارڈ کا رواج یورپ سے چلا ہے۔ یہ رسم اگرچہ اہل یورپ نے جاری کی۔ مگر مقصد استیذان اس میں بہت اچھی طرح پورا ہو جاتا ہے۔ کہ اجازت دینے والے کو اجازت چاہنے والے کا پورا نام وپتہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے بغیر کسی تکلیف کے معلوم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کو اختیار کرلینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مسئلہ : اگر کسی شخص نے کسی شخص سے استیذان کیا اور اس نے جواب میں کہہ دیا کہ اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی لوٹ جایئے تو اس سے برا نہیں ماننا چاہئے۔ کیونکہ ہر شخص کے حالات اور اس کے مقتضیات مختلف ہوتے ہیں۔ بعض وقت وہ مجبور ہوتا ہے باہر نہیں آسکتا نہ آپ کو اندر بلا سکتا ہے۔ تو ایسی حالت میں اس کے عذر کو قبول کرنا چاہئے۔ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۔

یعنی جب آپ سے کہا جائے کہ اس وقت لوٹ جائیں تو آپ کو خوشدلی سے لوٹ آنا چاہئے اس سے برا ماننا یا وہیں جم کر بیٹھ جانا دونوں چیزیں درست نہیں۔ بعض حضرات سلف سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں عمر بھر اس تمنا میں رہا کہ کسی کے پاس جا کر استیذان کروں اور وہ مجھے یہ جواب دے کہ لوٹ جاؤ تو میں اس حکم قرآن کی تعمیر کا ثواب حاصل کروں۔ مگر عجیب اتفاق ہے کہ مجھے کبھی یہ نعمت نصیب نہ ہوئی۔

مسئلہ : شریعت اسلام نے حسن معاشرت کے آداب سکھانے اور سب کو ایذاء و تکلیف سے بچانے کا دو طرفہ معتدل نظام قائم فرمایا ہے۔ اگر استیذان کرنے پر آپ کو اجازت نہ ملے اور کہا جائے کہ اس وقت لوٹ جاؤ تو کہنے والوں کو معذور سمجھو اور خوش دلی کے ساتھ واپس لوٹ جاؤ برا نہ مانو اسی طرح ایک حدیث میں اس کا دوسرا رخ اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان لزورک علیک حقا یعنی جو شخص آپ سے ملاقات کے لیے آئے اس کا بھی آپ پر حق ہے یعنی اس کا یہ حق ہے کہ اس کو اپنے پاس بلاؤ یا باہر آکر اس سے ملو اس کا اکرام کرو۔ بات سنو بلا کسی شدید مجبوری اور عذر کے ملاقات سے انکار نہ کرو۔

یعنی وزیٹنگ کارڈ۔

مسئلہ : اگر کسی کے دروازے پر جا کر استیذان کیا اور اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو سنت یہ ہے کہ دوبارہ پھر استیذان کرے اور پھر بھی جواب نہ آئے تو تیسری مرتبہ کرے۔ اگر تیسری مرتبہ جواب نہ آئے تو اس کا حکم وہی ہے جو ارجعو کا ہے یعنی لوٹ جانا چاہئے۔ کیونکہ تین مرتبہ کہنے سے تقریباً یہ تو متعین ہو جاتا ہے کہ آواز سن لی مگر یا تو وہ شخص ایسی حالت میں ہے کہ جواب نہیں دے سکتا۔ مثلاً نماز پڑھ رہا ہے یا بیت الخلا میں ہے غسل کر رہا ہے اور یا پھر اس کو اس وقت ملنا منظور نہیں دونوں حالتوں میں وہیں جمے رہنا اور مسلسل دستک وغیرہ دیتے رہنا بھی موجب ایذا ہے جس سے بچنا واجب ہے اور استیذان کا اصل مقصد ایذا سے بچنا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا استاذن احدکم ثلاثا فلم یؤذن لہ فلیرجع۔ یعنی جب کوئی آدمی تین مرتبہ استیذان کرے اور کوئی جواب نہ آئے تو اس کو لوٹ جانا چاہئے (ابن کثیر بحوالہ صحیح بخاری)

اور مسند احمد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور سنت کے مطابق باہر سے استیذان کے لیے سلام کیا السلام علیکم حضرت سعد بن عبادہ نے سلام کا جواب تو دیا مگر آہستہ کہ حضور نہ سنیں آپ نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ سلام کیا۔ حضرت سعدؓ سنتے اور آہستہ جواب دیتے رہے تین مرتبہ ایسا کرنے کے بعد آپ لوٹ گئے۔ جب سعد نے دیکھا اب آواز نہیں آرہی تو گھر سے نکل کر پیچھے دوڑے اور یہ عذر پیش کیا کہ یا رسول اللہ میں نے ہر مرتبہ آپ کی آواز سنی اور جواب بھی دیا۔ مگر آہستہ دیا تاکہ زبان مبارک سے زیادہ سے زیادہ سلام کے الفاظ میرے بارے میں نکلیں وہ میرے لیے موجب برکت ہو گا۔ (آپ نے ان کو طریقہ سنت بتلا دیا کہ تین مرتبہ جواب نہ آنے پر لوٹ جانا چاہئے۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر ساتھ لے گئے۔ انہوں نے کچھ مہمانی کی آپ نے اس کو قبول فرمایا۔

حضرت سعد کا یہ عمل غلبہ عشق و محبت کا اثر تھا کہ اس وقت ذہن اس طرف نہ گیا۔ کہ سردار دو عالم دروازے پر تشریف فرما ہیں۔ مجھے فوراً جا کر ان کے قدم چوم لینے

چاہئیں بلکہ ذہن اس طرف متوجہ ہو گیا کہ آپ کی زبان مبارک سے السلام علیکم جتنی مرتبہ زیادہ نکلے گا۔ میرے لیے زیادہ مفید ہو گا۔ بہرحال اس سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ تین مرتبہ استیذان کے بعد جواب نہ آئے تو سنت یہ ہے کہ لوٹ جائے وہیں جم کر بیٹھ جانا خلاف سنت اور مخاطب کے لیے موجب ایذا ہے کہ اس کو دباؤ ڈال کر نکلنے پر مجبور کرنا ہے۔

مسئلہ : یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سلام یا دستک وغیرہ کے ذریعہ اجازت حاصل کرنے کی کوشش تین مرتبہ کرلی ہو کہ اب وہاں جم کر بیٹھنا موجب ایذا ہے لیکن اگر کوئی کسی عالم یا بزرگ کے دروازہ پر بغیر استیذان کیے ہوئے اور بغیران کو اطلاع دیئے ہوئے انتظار میں بیٹھ رہے کہ جب اپنی فرصت کے مطابق باہر تشریف لائیں گے تو ملاقات ہو جائے گی یہ اس میں داخل نہیں بلکہ عین ادب ہے خود قرآن کریم نے لوگوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں ہوں تو ان کو آواز دے کر بلانا ادب کے خلاف ہے بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ انتظار کریں۔ جس وقت آپ اپنی ضرورت کے مطابق باہر تشریف لائیں اس وقت ملاقات کریں۔

مسئلہ : رفاہ عام کے اداروں میں جس مقام پر اس کے مالکان یا متولیان کی طرف سے داخلہ کے لیے کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں اس کی پابندی شرعاً واجب ہے۔ مثلاً ریلوے اسٹیشن پر اگر بغیر پلیٹ فارم کے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ تو پلیٹ فارم ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس کی خلاف ورزی ناجائز ہے۔ ایروڈرم (ہوائی اڈے) کے جس حصہ میں جانے کی محکمہ کی طرف سے اجازت نہ ہو۔ وہاں بغیر اجازت کے جانا شرعاً جائز نہیں۔

مسئلہ : اسی طرح مساجد۔ مدارس۔ خانقاہوں۔ ہسپتالوں میں جو کمرے وہاں کے منتظمین یا دوسرے لوگوں کی رہائش کے لیے مخصوص ہوں۔ جیسے مساجد مدارس اور خانقاہوں کے خاص حجرے یا ریلوے۔ ایروڈرم اور ہسپتالوں کے دفاتر اور مخصوص کمرے جو مریضوں یا دوسرے لوگوں کی رہائش گاہ ہیں۔ وہ بیوت غیر مسکونہ کے حکم میں نہیں۔ بلکہ مسکونہ کے حکم میں ہیں وہاں بغیر اجازت جانا شرعاً ممنوع اور گناہ ہے۔

(سورۃ النور آیت ۲۷ تا ۲۹) معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۷۴ تا ۳۸۲

استیذان سے متعلق چند دوسرے مسائل ٹیلیفون سے متعلق بعض مسائل

مسئلہ : کسی شخص کو ایسے وقت ٹیلیفون پر مخاطب کرنا جو عادۃً اس کے سونے یا دوسری ضروریات میں یا نماز میں مشغول ہونے کا وقت ہو بلا ضرورت شدید جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی وہی ایذا رسانی ہے۔ جو کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

مسئلہ : جس شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت اکثر کرنا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے۔ پھر اس کی پابندی کرے۔

مسئلہ : جس شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت اکثر کرنا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے۔ پھر اس کی پابندی کرے۔

مسئلہ : ٹیلیفون پر اگر کوئی طویل بات کرنا ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو ذرا سی فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فوراً معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے؟ اور اس ضرورت سے وہ کسی بھی حال میں اور اپنے ضروری کام میں ہو تو اس کو چھوڑ کر ٹیلیفون اٹھاتا ہے۔ کوئی بے رحم آدمی اس وقت لمبی بات کرنے لگے تو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ : بعض لوگ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے۔ اور کوئی پرواہ نہیں کرتے نہ پوچھتے ہیں کہ کون ہے۔ کیا کہنا چاہتا ہے؟ یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے۔ جیسے حدیث میں آیا ہے۔ ان لزورک علیک حقا یعنی جو شخص آپ کی ملاقات کو آئے اس کا تم پر حق ہے کہ اس سے بات کرو۔ اور بلا ضرورت

ملاقات سے انکار نہ کرو۔ اس طرح جو آدمی ٹیلیفون پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ اس کا حق ہے کہ آپ اس کو جواب دیں۔

مسئلہ : جن مکانوں میں داخل ہونا آیات مذکورہ میں بغیر اجازت کے ممنوع قرار دیا ہے۔ یہ عام حالات میں ہے اگر اتفاقاً کوئی حادثہ آگ لگنے یا مکان منہدم ہونے کا پیش آجائے تو اجازت لیے بغیر اس میں جاسکتے ہیں اور امداد کے لیے جانا چاہیے۔ (مظہری)

مسئلہ : جس شخص کو کسی نے بلا بھیجا ہے اگر وہ اس کے قاصد کے ساتھ ہی آگیا۔ تو اب اس کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں قاصد کا آنا ہی اجازت ہے۔ ہاں اگر اس وقت نہ آیا کچھ دیر کے بعد پہنچا تو اجازت لینا ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اذا دعی احدکم فجاء مع الرسول فان ذلک لہ اذن یعنی جو بلایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ ہی آجائے تو یہی اس کے لیے اندر آنے کی اجازت ہے۔

(رواہ ابوداؤد۔ مظہری) سورۃ النور آیت ۲۷ تا ۲۹)

معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۹۴ تا ۳۹۵

مریض کو دوسرے کا خون دینے کی بعض شرائط

اس کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا دو وجہ سے حرام ہو اول اس لیے کہ اعضاء انسانی کا احترام واجب ہے اور یہ اس احترام کے منافی ہے۔ دوسرے اس لیے کہ خون نجاست غلیظہ ہے اور نجس چیزوں کا استعمال ناجائز ہے لیکن علاج و دوا کے طور پر اس کا استعمال اضطراری حالت میں بلاشبہ جائز ہے۔ اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ مریض کی جان کا خطرہ ہو اور کوئی دوسری دوا اس کی جان بچانے کے لیے مؤثر یا موجود نہ ہو اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو' ان شرطوں کے ساتھ خون دینا تو اس نص قرآنی کی رو سے جائز ہے جس میں مضطر کے لیے مردار جانور کھا کر جان بچانے کی اجازت صراحۃً مذکور ہے اور اگر اضطراری حالت میں نہ ہو تو ایسی حالت میں مسئلہ مختلف فیہا ہے بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے جس کی تفصیل کتب فقہ بحث تداوی بالحرام میں مذکور ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ احقر کا

یک مستقل رسالہ بھی اس موضوع پر شائع ہو گیا ہے۔ جس کا نام اعضائے انسانی کی پیوند کاری ہے اس کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۷۳) (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱)

کشتی، بحری جہاز اور دوسری سواریوں پر سوار ہونے کا ادب

س مسئلہ : کشتی اور سواری پر سوار ہونے میں ادب یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَ مُرْسٰھَا پڑھ کر سوار ہوں۔ (سورہ ھود آیت ۴۰) معارف القرآن جلد چہارم ص ۲۲۵

باب

الوصیّت

وصیّت کے متعلق مسائل

مسئلہ : جن رشتہ داروں کے حصے قرآن کریم نے خود مقرر کردیئے ہیں ان کے لیے اب وصیت واجب نہیں۔ بلکہ بدون اجازت دوسرے وارثوں کے جائز بھی نہیں' البتہ جو رشتہ دار شرعی وارث نہیں ان کے لیے وصیت کرنے کی اجازت ایک تہائی مال تک ہے۔

مسئلہ : اس آیت میں ذکر ایک خاص وصیت کا تھا۔ جو مرنے والا اپنے متروکہ مال کے متعلق کرتا تھا۔ جو منسوخ ہو گیا۔ لیکن جس شخص کے ذمے دوسرے لوگوں کے حقوق واجب ہوں یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو۔ اس پر ان تمام چیزوں کی ادائیگی کے لیے وصیت واجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ○

جس شخص کے ذمہ کچھ لوگوں کے حقوق ہوں اس پر تین راتیں ایسی نہ گذرنی چاہئیں کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس موجود نہ ہو۔

مسئلہ : آدمی کو جو ایک تہائی مال میں وصیت کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ اپنی زندگی میں اس کو یہ بھی حق رہتا ہے کہ اس وصیت میں کچھ تبدیلی کردے یا بالکل ختم کردے۔
(جصاص)(سورۃ البقرہ آیت ۱۸۰)(معارف القرآن حصہ اول ص ۴۴۱)

وصیّت کے متعلق احکام و مسائل

مسئلہ : میت جس شخص کو مال سپرد کر کے اس کے متعلق کسی کو دینے دلانے کے لیے کہہ جائے وہ وصی ہے اور وصی ایک شخص بھی ہو سکتا ہے۔ اور زیادہ بھی۔

مسئلہ : وصی کا مسلمان اور عادل ہونا خواہ حالت سفر ہو یا حضر افضل ہے لازم نہیں۔

مسئلہ : نزاع میں جو امر زائد کا مثبت ہو مدعی اور دوسرا مدعا علیہ کہلاتا ہے۔

مسئلہ : اول مدعی سے گواہ لیے جاتے ہیں۔ اگر موافق ضابطہ شرعی کے پیش کردے مقدمہ وہی پاتا ہے۔ اگر پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے۔ اور مقدمہ وہ پاتا ہے۔ البتہ اگر قسم سے انکار کر جائے تو پھر مدعی مقدمہ پالیتا ہے۔

مسئلہ : قسم کی تغلیظ زمان یا مکان حاکم کی رائے پر ہے۔

مسئلہ : اگر مدعا علیہ کسی اپنے فعل کے متعلق قسم کھائے تو الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ مجھ کو اس فعل کی اطلاع نہیں۔

مسئلہ : اگر میراث کے مقدمہ میں وارث مدعا علیہ ہو تو جن کو شرعاً میراث پہنچتی ہو ان پر قسم آئے گی خواہ وہ واحد ہو یا متعدد اور جو وارث نہیں ان پر قسم نہ ہوگی۔
(بیان القرآن)

ایک کافر کی شہادت دوسرے کافر کے معاملہ میں قابل قبول ہے

جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو دو ایسے آدمیوں کو وصی بناؤ جو تم میں سے ہوں اور نیک ہوں اور اگر اپنی قوم کے آدمی نہیں تو غیر قوم (یعنی کافر) سے بناؤ اس سے امام ابوحنیفہؒ نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ کفار کی شہادت بعض کی بعض پر جائز ہے۔ کیونکہ کفار کی شہادت بعض کی بعض پر بطریق اولیٰ جائز ہے۔

(سورۃ المائدہ ۱۰۶ تا ۱۰۸)(معارف القرآن حصہ سوم ص ۲۵۷ تا ۲۵۸)

باب

المیراث

شوہر اور بیوی کا حصہ

مسئلہ : فوت ہونیوالی عورت نے اگر کوئی بھی اولاد نہ چھوڑی ہو تو شوہر کو بعد اداء دین و انفاذ وصیت مرحومہ کے کل کا نصف ملے گا اور باقی نصف میں دوسرے ورثہ مثلاً مرحومہ کے والدین، بھائی، بہن حسب قاعدہ حصہ پائیں گے۔

اور اگر مرنے والی نے اولاد چھوڑی ہو ایک ہو یا دو ہو یا اس سے زائد ہوں لڑکا ہو یا لڑکی ہو۔ اس شوہر سے ہو جس کو چھوڑ کر وفات پائی ہے یا اس سے پہلے کسی اور شوہر سے ہو تو اس صورت میں موجودہ شوہر کو مرحومہ کے مال سے اداء دین و انفاذ وصیت کے بعد کل مال کا چوتھائی ملے گا۔ اور بقیہ تین چوتھائی حصے دوسرے ورثہ کو ملیں گے۔ یہ شوہر کے حصہ کی تفصیل تھی۔

اور اگر میاں بیوی میں سے مرنے والا شوہر ہے اور اس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو اداء دین و انفاذ وصیت کے بعد بیوی کو مرنے والے کے کل مال کا چوتھائی ملے گا اور اگر اس نے کوئی اولاد چھوڑی ہے۔ خواہ اس بیوی سے ہو یا کسی دوسری بیوی سے تو اس صورت میں بعد اداء دین وصیت کے آٹھواں حصہ ملے گا۔ اگر بیوی ایک سے زائد

ہے تو بھی مذکورہ تفصیل کے مطابق ایک بیوی کے حصہ میں جتنی میراث آئے گی۔ وہ ان سب بیویوں میں تقسیم کی جائے گی۔ یعنی ہر عورت کے چوتھائی اور آٹھواں حصہ نہیں ملے گا بلکہ سب بیویاں چوتھائی اور آٹھواں حصہ میں شریک ہوں گی۔ اور ان دونوں حالتوں میں شوہر بیوی کو ملنے کے بعد جو کچھ ترکہ بچے گا۔ وہ ان کے دوسرے ورثہ میں تقسیم کردیا جائے گا۔

مسئلہ : یہ دیکھنا چاہئے کہ بیوی کا مہر ادا ہو گیا ہے یا نہیں۔ اگر بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو تو دوسرے قرضوں کی طرح اولاً کل مال" سے دین مہر ادا ہو گا۔ اس کے بعد ترکہ تقسیم ہو گا۔ مہر لینے کے بعد عورت اپنی میراث کا حصہ بھی میراث میں حصہ دار ہونے کی وجہ سے وصول کرلے گی۔ اور اگر میت کا مال اتنا ہے کہ مہر ادا کرنے کے بعد کچھ نہیں بچتا تو بھی دوسرے دیون کی طرح پورا دین مہر میں عورت کو دیدیا جائے گا۔ اور کسی وارث کو کچھ حصہ نہ ملے گا۔ (سورہ نساء آیت ۱۲) (معارف القرآن حصہ دوم ص ۳۲۵ تا ۳۲۶)

وصیت اور احکام المیراث

مسئلہ : اگر دین اور وصیت نہ ہو تو تجہیز و تکفین کے بعد بچا ہوا کل مال وارثوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ وارث کے حق میں وصیت کرنا باطل ہے۔ اگر کسی نے اپنے لڑکے۔ لڑکی۔ شوہر یا بیوی کے لیے یا اور کسی شخص کے لیے وصیت کی جس کو میراث میں حصہ ملنے والا ہے تو اس وصیت کا کچھ اعتبار نہیں۔ وارثوں کو صرف میراث کا حصہ ملے گا۔ اس سے زیادہ کے وہ مستحق نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَعْطٰی کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ فَلَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ ○

(بحوالہ ابو داؤد ص ۲۶۵) ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیدیا ہے پس کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت معتبر نہیں۔

ہاں اگر دیگر وارث اجازت دے دیں تو جس وارث کے لیے وصیت کی ہے اس کے حق میں وصیت نافذ کرکے باقی مال شرعی طریقہ پر تقسیم کیا جائے۔ جس میں اس وارث کی بھی اپنے حصہ کی میراث ملے گی۔

مسئلہ : میت کی تجہیز و تکفین کے بعد کل مال سے قرضے ادا کرنے کے بعد جو بچے اس میں سے تہائی مال میں وصیت نافذ ہو گی۔ اگر اس سے زیادہ وصیت ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں ضابطہ میں ادائے دین انفاذ وصیت سے مقدم ہے۔ اگر تمام مال ادائے دیون میں لگ جائے تو نہ وصیت نافذ ہو گی نہ میراث چلے گی۔ جہاں جہاں وصیت کا ذکر آیا ہے وہاں وصیت کا ذکر دین سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وصیت کا حق دین سے مقدم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے فرمایا۔

انکم تقرءون ھٰذہ الآیۃ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ تُوْصُوْنَ بِھَا اَوْ دَیْنٍ اوان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قضٰی بالدین قبل الوصیۃ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی ص ۲۶۴)

ترجمہ:۔ یعنی آپ حضرات..... یہ آیت تلاوت کرتے ہیں "من بعد وَصِیَّۃٍ تُوصون بھا او دین۔" اس میں گو لفظ وصیت مقدم ہے۔ لیکن عملی طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دین کے بعد رکھا ہے۔" تاہم یہ نکتہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اگر عملاً وصیت مؤخر ہے تو لفظاً اس کو دین سے پہلے کیوں بیان کیا گیا' صاحب روح المعانی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

وتقدیم الوصیۃ علی الدین ذکرًا مع ان الدین مقدم علیھا حکما لاظہار کمال العنایۃ بنفیذھا لکونھا مظنۃ للتفریط فی ادائھا الخ "یعنی آیت میں دین پر وصیت کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ میراث کی طرح بغیر کسی عوض کے ملتی ہے۔ اور اس میں رشتہ دار ہونا بھی ضروری نہیں۔ اس لیے وارثین کی جانب سے اس کو نافذ کرنے میں کوتاہی ہونے یا دیر ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا۔ اپنے مورث کا مال کسی کے پاس جاتا ہوا دیکھنا اس کو ناگوار ہو سکتا تھا۔ اس لیے شان وصیت کا اہتمام فرماتے ہوئے دین پر اس کو مقدم کیا گیا۔ پھر یہ بھی بات ہے کہ قرض کا ہر میت پر ہونا ضروری نہیں۔ اور اگر زندگی میں رہا ہو تو موت تک اس کا باقی رہنا بھی ضروری نہیں۔ اور اگر میت کے وقت موجود بھی ہو تب بھی چونکہ اس کا مطالبہ حق دار کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لیے ورثہ بھی انکار نہیں کرسکتے۔ اس وجہ سے اس میں کوتاہی کا احتمال بہت کم ہے۔ بخلاف وصیت کے کہ جب میت مال چھوڑتا ہے تو اس کا یہ بھی دل چاہتا ہے کہ صدقہ

جاریہ کے طور پر اپنا حصہ کسی کارِ خیر میں صرف کر جائے۔ یہاں چونکہ اس مال میں کسی کی طرف سے مطالبہ نہیں ہوتا اس لیے وارثوں کی طرف سے کوتاہی کا امکان تھا۔ جن کا سدباب کرنے کی لیے بطور خاص ہر جگہ وصیت کو مقدم کیا گیا۔

مسئلہ : اگر دین اور وصیت نہ ہو تو تجہیز و تکفین کے بعد بچا ہوا کل مال وارثوں میں تقسیم ہو گا۔

مسئلہ : وارث کے حق میں وصیت کرنا باطل ہے۔ اگر کسی نے اپنے لڑکے لڑکی، شوہر یا بیوی کے لیے یا اور کسی ایسے شخص کے لیے وصیت کی جس کو میراث میں حصہ ملنے والا ہے تو اس وصیت کا کچھ اعتبار نہیں وارثوں کو صرف میراث کا حصہ ملے گا۔ اس سے زیادہ کے وہ مستحق نہیں ہاں اگر دیگر وارث اجازت دیدیں تو جس وارث کے لیے وصیت نافذ کر کے باقی مال شرعی طریقے پر تقسیم کیا جائے جس میں اس وارث کو بھی اپنے حصہ کی میراث ملے گی۔ (سورہ نساء آیت ۱۲) (معارف القرآن ج ۲ ص ۳۲۸ تا ۳۳۰)

تکملہ احکام میراث

مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا

اگرچہ میراث کی تقسیم نسبی قرابت پر رکھی گئی ہے۔ لیکن اس میں سے بعض چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ اول یہ کہ مورث اور وارث دو مختلف دین والے نہ ہوں۔ لہٰذا مسلمان کسی کافر کا اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو گا۔ خواہ ان میں آپس میں کوئی بھی نسبی رشتہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ (مشکوٰۃ ص ۲۶۳)

یعنی مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔

یہ حکم اس صورت سے متعلق ہے جب کہ پیدائش کے بعد ہی سے کوئی شخص مسلم یا کافر ہو لیکن اگر کوئی شخص پہلے مسلمان تھا۔ پھر العیاذ باللہ اسلام سے پھر گیا۔ اور

مرتد ہو گیا۔ اگر ایسا شخص مر جائے یا مقتول ہو جائے تو اس کا وہ مال جو اسلام کے زمانہ میں کسب کیا تھا اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گا۔ اور جو ارتداد کے بعد کمایا ہو وہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر عورت مرتد ہو گئی تو اس کا کل مال خواہ زمانہ اسلام میں حاصل ہوا ہو یا زمانہ ارتداد میں، اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گا۔ لیکن خود مرتد مرد ہو یا عورت اس کو نہ کسی مسلمان سے میراث ملے گی نہ مرتد سے۔

قاتل کی میراث

اگر کوئی شخص ایسے آدمی کو قتل کر دے جس کے مال میں اس کو میراث پہنچتی ہو تو یہ قاتل اس شخص کی میراث سے محروم ہو گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَلْقَاتِلُ لَا یَرِثُ (مشکوٰۃ ۲۶۳) "یعنی قاتل وارث نہیں ہو گا۔" البتہ قتل خطا کی بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے)۔

پیٹ میں جو بچہ ہے اس کی میراث

اگر کسی شخص نے اپنی کچھ اولاد چھوڑی۔ اور بیوی کے پیٹ میں بھی بچہ ہے۔ تو یہ بچہ بھی وارثوں کی فہرست میں آئے گا۔ لیکن چونکہ یہ پتہ چلانا دشوار ہے کہ پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، یا ایک سے زیادہ بچے ہیں اس لیے بچہ پیدا ہونے تک تقسیم میراث ملتوی رکھنا مناسب ہو گا۔ اور اگر تقسیم کرنا ضروری ہی ہو تو سردست ایک لڑکا یا لڑکی فرض کر کے دونوں کے اعتبار سے دو صورتیں فرض کی جائیں ان دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں ورثہ کو کم ملتا ہو وہ ان میں تقسیم کر دیا جائے اور باقی اس حمل کے لیے رکھا جائے۔

معتدہ کی میراث

جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور طلاق رجعی ہے۔ پھر طلاق سے رجوع اور عدت ختم ہونے سے پہلے وفات پا گیا۔ تو یہ عورت میراث میں حصہ پاوے گی۔ اس لیے کہ نکاح باقی ہے۔

مسئلہ : اور اگر کسی شخص نے مرض الوفات میں بیوی کو طلاق دی۔ اگرچہ طلاق بائن

یا مغلظہ ہی ہو۔ اور عدت ختم ہونے سے پہلے مرگیا تب بھی وہ عورت اس کی وارث ہوگی۔ اور عورت کو وارث بنانے کی وجہ سے دو عدتوں میں سے جو سب سے زیادہ دراز ہو اسی کو اختیار کیا جائے گا۔ جس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ۔

عدت طلاق تین حیض ہے۔ اور عدت وفات چار مہینہ دس دن ہے۔ ان دونوں میں جو عدت زیادہ دنوں کی ہو اسی کو عدت قرار دیا جائے گا تاکہ جہاں تک ممکن ہو عورت کو حصہ مل سکے۔

اور اگر کسی شخص نے مرض الوفات سے پہلے بائن یا مغلظہ طلاق دی اور اس کے چند دن بعد عورت کی عدت میں وہ فوت ہوگیا۔ تو اس صورت میں اس کو میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا۔ البتہ اگر طلاق رجعی دی ہے۔ تو وہ وارث ہوگی۔

مسئلہ : اگر کسی عورت نے شوہر کے مرض وفات میں خود سے خلع کرلیا تو وارث نہیں ہوگی۔ اگرچہ اس کا شوہر اس کی عدت کے دوران مرجائے۔

عصبات کی میراث

فرائض کے مقررہ بارہ حصے ورثہ کے لیے طے شدہ ہیں۔ اور ان وارثوں کو اصحاب الفروض کہا جاتا ہے۔ اگر اصحاب الفروض میں سے کوئی نہ ہو۔ یا اصحاب الفروض کے حصے دیدینے کے بعد کچھ مال بچ جائے۔ تو وہ عصبہ کو دیدیا جاتا ہے۔ اور بعض مرتبہ ایک ہی شخص کو دونوں حیثیتوں سے مال مل جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں میت کی اولاد اور میت کا والد بھی عصبہ ہو جاتے ہیں۔ دادا کی اولاد یعنی چچا اور باپ کی اولاد یعنی بھائی بھی عصبہ ہو جاتے ہیں۔ عصبات کی کئی قسمیں ہیں۔ یہاں ایک مثال لکھی جاتی ہے۔ مثلاً زید فوت ہوگیا۔ اور اس نے اپنے پیچھے چار وارث چھوڑے۔ بیوی۔ لڑکی ماں اور چچا تو اس کے مال کے کل چوبیس حصے کئے جائیں گے۔ جن میں سے آدھا یعنی بارہ حصے لڑکی کو ۱/۲ کے حساب سے تین حصے بیوی کو ۱/۸ کے حساب سے چار حصے ماں کو اور بقیہ پانچ حصے جو بچے وہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے چچا کو ملیں گے۔

مسئلہ : عصبات اگر نہ ہو تو اصحاب فرائض سے جو مال بچے وہ ان کے حصوں کے

مطابق انہی کو دیدیا جاتا ہے۔ اور اس کو علم فرائض کی اصطلاح میں رد کہتے ہیں۔ البتہ شوہر اور بیوی پر رد نہیں ہوتا کسی حال میں ان کو مقررہ حصے سے زیادہ نہیں دیا جاتا۔

مسئلہ : اگر اصحاب فروض میں سے کوئی نہ ہو اور عصبات میں بھی کوئی نہ ہو تو ذوی الارحام کو میراث پہنچ جاتی ہے۔ ذوی الارحام کی فہرست طویل ہے۔ نواسے۔ نواسیاں۔ بہنوں کی اولاد۔ پھوپھیاں۔ ماموں۔ خالہ۔ یہ لوگ ذوی الارحام کی فہرست میں آتے ہیں۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

(سورہ نساء آیت ۱۳، ۱۴) (معارف القرآن جلد دوم ص ۳۳۲ تا ۳۳۴)

اموال یتامیٰ سے متعلق بعض مسائل

یتیم کا ولی اس کے مال میں سے ضرورۃ کچھ لے سکتا ہے

مسئلہ : جو شخص کسی یتیم بچے کی تربیت اور اس کے مال کی حفاظت میں اپنا وقت اور محنت خرچ کرتا ہے کیا اس کو یہ حق ہے کہ یتیم کے مال میں سے اپنا حق الخدمت کچھ لیلے؟ چنانچہ فرمایا ومن کان غنیا فلیستعفف۔ یعنی جو شخص حاجتمند نہ ہو۔ اپنی ضرورت کا تکفل کسی دوسرے ذریعہ سے کرسکتا ہو۔ اس کو چاہئے کہ یتیم کے مال میں سے حق الخدمت نہ لیا کرے۔ کیونکہ یہ خدمت اس کے ذمہ فرض ہے اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں۔ جو ولی یتیم، فقیر محتاج ہو اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہ رکھتا ہو وہ یتیم کے مال میں سے ایک مناسب مقدار کھا سکتا ہے۔ جس سے حاجات ضروریہ پوری ہو جائیں۔

مسئلہ :: مال سپرد کرتے وقت گواہ بنانا! جب آزمائش کے بعد یتیموں کے اموال ان کے سپرد کرنے لگو تو چند ثقہ اور نیک لوگوں کو گواہ بنالیا کرو۔ تاکہ آئندہ کسی نزاع اور جھگڑے کی صورت پیدا نہ ہو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حساب میں ہر چیز ہے۔

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ! یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ جو آج کل بلاوجہ ایک نزاعی مسئلہ بنادیا گیا ہے۔ وہ خود بخود ایک قطعی فیصلہ کے ساتھ حل ہو جاتا ہے کہ اگرچہ یتیم پوتا بہ نسبت بیٹے کے ضرورتمند زیادہ ہو لیکن "اقربون" کے قانون کی رو سے وہ مستحق وراثت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ بیٹے کی موجودگی میں اقرب نہیں۔ البتہ اس کی ضرورت رفع کرنے کے لیے دوسرے انتظامات کئے گئے ہیں۔

متوفی کی ملکیت میں جو کچھ ہو سب اس کی وراثت کا حصہ ہے

بعض قوموں میں بعض اقسام مال کو بعض خاص وارثوں کے لیے مخصوص کرلیا جاتا تھا۔ مثلاً گھوڑا اور تلوار وغیرہ اسلحہ' یہ سب صرف نوجوان مردوں کا حق تھا۔ دوسرے وارثوں کو ان سے محروم کردیا جاتا تھا۔ قرآن کریم کی اس ہدایت نے بتلادیا کہ میت کی ملکیت میں جو چیز بھی تھی' خواہ بڑی ہو یا چھوٹی ہر چیز میں ہر وارث کا حق ہے۔ کسی وارث کو کوئی خاص چیز بغیر تقسیم کے خود رکھ لینا جائز نہیں۔

(سورہ نساء آیت ۷ تا ۱۰)(معارف القرآن حصہ دوم ص ۳۱۱ تا ۳۱۴)

مسئلہ: میت کے بدن کے کپڑے بھی ترکہ میں شامل ہوتے ہیں۔ ان کو حساب میں لگائے بغیر یونہی صدقہ کردیتے ہیں۔ بعض علاقوں میں تانبے پیتل کے برتن مال کو تقسیم کئے بغیر فقیروں کو دیدیتے ہیں۔ حالانکہ ان سب میں نابالغوں اور غیر حاضر وارثوں کا بھی حق ہوتا ہے۔ پہلے مال بانٹ لیں جس میں سے مرنے والے کی اولاد' بیوی' والدین بہنیں جس جس کو شرعاً حصہ پہنچتا ہو اس کو دیدیں۔ اس کے بعد اپنی خوشی سے جو شخص چاہے مرنے والے کی طرف سے خیرات کریں۔ یا مل کر کریں تو صرف بالغین کریں نابالغ کی اجازت کا اعتبار نہیں۔ اور جو وارث غیر حاضر ہو اس کے حصہ میں اس کی اجازت کی بغیر بھی تصرف درست نہیں۔

مسئلہ: میت کو قبرستان لے جاتے وقت جو چادر جنازہ کے اوپر پر ڈالی جاتی ہے۔ وہ کفن میں شامل نہیں ہے۔ اس کو میت کے مال سے خریدنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ مال مشترک ہے۔ کوئی شخص اپنی طرف سے خرچ کردے تو جائز ہے۔ بعض علاقوں میں نماز جنازہ پڑھانے والے امام کے لیے کفن ہی کے کپڑے میں سے مصلّٰی تیار کیا جاتا ہے اور پھر یہ مصلّٰی امام کو دیدیا جاتا ہے۔ یہ خرچ بھی کفن کی ضرورت ہے فاضل ہے' ورثہ کے مشترک مال میں سے اس کا خریدنا جائز نہیں۔

مسئلہ: بعض جگہ میت کے غسل کے لیے نئے برتن خریدے جاتے ہیں۔ پھر ان کو توڑ دیا جاتا ہے۔ اول تو نئے خریدنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ گھر کے موجودہ برتنوں سے غسل دیا جاسکتا ہے۔ اور اگر خریدنے کی ضرورت پڑ جائے تو توڑنا جائز نہیں۔ اول تو

اس میں مال ضائع کرنا ہے اور پھر ان سے یتیموں کا غائب وارثوں کا حق وابستہ ہے۔

مسئلہ: ترکہ کی تقسیم سے پہلے اس میں سے مہمانوں کی خاطر تواضع اور صدقہ و خیرات کچھ جائز نہیں اس طرح کے صدقہ وخیرات کرنے سے مردے کو کوئی ثواب نہیں پہنچتا۔ بلکہ ثواب سمجھ کر دینا اور بھی زیادہ سخت گناہ ہے۔ اس لیے کہ مورث کے مرنے کے بعد اب یہ سب مال تمام وارثوں کا حق ہے۔ اور ان میں یتیم بھی ہوتے ہیں اس مشترک مال میں سے دینا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کسی کا مال چرا کر میت کے حق میں صدقہ کردیا جائے۔ پہلے مال تقسیم کردیا جائے۔ اس کے بعد اگر وہ وارث اپنے مال میں سے اپنی مرضی سے میت کے حق میں صدقہ خیرات کریں تو ان کو اختیار ہے۔

تقسیم سے پہلے بھی وارثوں سے اجازت لے کر مشترک ترکہ میں سے صدقہ خیرات نہ کریں۔ اس لیے کہ جو ان میں یتیم ہیں۔ ان کی اجازت تو معتبر ہی نہیں۔ اور جو بالغین ہیں۔ وہ بھی ضروری نہیں کہ خوش دلی سے اجازت دیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لحاظ کی وجہ سے اجازت دینے پر مجبور ہوں اور لوگوں کے طعنوں کے خوف سے کہ اپنے مردہ کے حق میں دو پیسے تک خرچ نہ کئے۔ اس عار سے بچنے کے لیے بادل ناخواستہ حامی بھرلے۔ حالانکہ شریعت میں صرف وہ مال حلال ہے جب کہ دینے والا طیب خاطر سے دے رہا ہو۔ (سورۂ نساء آیت ۷ تا ۱۰)(معارف القرآن حصہ دوم ص ۳۱۵' ۳۱۶ تا ۳۱۷)

متبنّٰی کے بارے میں حکم

مسئلہ: بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے۔ کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمدؐ کہا کرتے تھے۔ (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو متبنّٰی بنالیا تھا۔ اس کے بعد ہم نے یہ عادت چھوڑ دی۔

مسئلہ: اکثر آدمی جو دوسروں کے بچوں کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں۔ جب کہ محض شفقت کی وجہ سے ہو متبنّٰی قرار دینے کی وجہ سے نہ ہو تو یہ اگرچہ جائز ہو مگر پھر بھی بہتر نہیں کہ صورۃً ممانعت میں داخل ہے۔ (کذافی الروح عن الخفاجی علی البیضاوی)

(معارف القرآن حصہ ہشتم ص ۸۵)(سورۂ احزاب آیت ۴)

ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے

مسئلہ : ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے مالی نعمت کا شکریہ ہے کہ اس مال سے کچھ اللہ کے لیے اخلاص نیت کے ساتھ خرچ کرے۔ اور نعمت بدن کا شکریہ ہے کہ جسمانی طاقت کو اللہ تعالیٰ کے واجبات ادا کرنے میں صرف کرے اور علم و معرفت کی نعمت کا شکریہ ہے کہ دوسروں کو اس کی تعلیم دے (مظہری)(سورۃ الضحیٰ آیت ۱۱)(معارف القرآن ج ۸ ص ۶۸۔

ناجائز کام میں ایک درہم خرچ کرنا بھی اسراف ہے

مسئلہ : امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ حرام و ناجائز کام میں تو ایک درہم خرچ کرنا بھی تبذیر ہے اور جائز و مباح خواہشات میں حد سے زیادہ خرچ کرنا جس سے آئندہ محتاج فقیر ہو جانے کا خطرہ ہو جائے یہ بھی تبذیر میں داخل ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اصل راس المال کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے منافع کو اپنی جائز خواہشات میں وسعت کے ساتھ خرچ کرتا ہے۔ تو وہ تبذیر میں داخل نہیں (قرطبی) ج ۱۰ ص ۲۴۸ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۷)

(معارف القرآن جلد پنجم ص ۳۵۸)

دائمی حق کے لیے تلقین

مسئلہ : داعیٔ حق کو تلقین کی گئی ہے کہ مخالفین کے دلائل و شبہات کا جواب تو دیدو۔ لیکن وہ جو جہالت و حماقت یا دشنام طرازی کی بات کریں اس کا جواب انہی کی زبان میں دینے کے بجائے سکوت اختیار کرو اور یہ جو فرمایا کہ کہہ دو تم کو سلام کرتا ہوں۔ اس سے یہ مقصد نہیں ہے کہ انہیں السلام علیکم کہا جائے۔ کیونکہ کسی غیر مسلم کو ان الفاظ سے سلام کرنا جائز نہیں۔ بلکہ یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کسی شخص سے قطع تعلق کرنا ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ "میری طرف سے سلام" یا "تمہیں سلام کرتا ہوں۔" اس سے حقیقی طور پر سلام کرنا مقصد نہیں ہوتا۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ میں خوبصورتی کے ساتھ تم سے قطع تعلق کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا جن حضرات نے اس آیت سے استدلال کر کے کافروں کو "السلام علیکم" یا سلام کہنا جائز قرار دیا ہے۔ ان کا قول مرجوح ہے۔

(روح المعانی)(سورۃ الزخرف آیت ۸۹)(معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۷۵۴)